درس ۲۲

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں

قتال فی سبیل اللہ یا سلسلۂ غزوات کا آغاز

اور اس کا ہدف آخریں

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

نام کتاب ـــــ قتال فی سبیل اللہ یا سلسلۂ غزوات کا آغاز (درس ۲۲)
طبع اوّل (اگست ۲۰۰۳ء) ـــــــــــــــــــ ۲۲۰۰
ناشر ـــــ ناظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
مقامِ اشاعت ـــــــــ ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۳۔۵۸۶۹۵۰۱
مطبع ـــــــــ شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت ـــــــــــ ۱۰ روپے

درس ۲۲

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں قتال فی سبیل اللہ یا سلسلۂ غزوات کا آغاز اور اس کا ہدفِ آخریں

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم ۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (الانفال:۳۹)

وقال تبارک وتعالٰی کما ورد فی سورۃ التوبۃ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (آیت ۱۱۱) ...... صدق اللہ العظیم

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں قتال فی سبیل اللہ یا غزوات کا سلسلہ رمضان ۲ھ سے شروع ہوکر اواخر ۹ھ تک جاری رہا۔ اس طرح یہ سلسلۂ قتال وغزوات آٹھ سالوں پر محیط ہے۔ اس دوران میں بہت سے ''غزوات وسرایا'' ہوئے۔ سیرتِ مطہرہ کے حوالے سے غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ نے بھی بنفسِ نفیس شرکت فرمائی ہو اور ''سریہ'' (جس کی جمع سرایا ہے) اس جنگی مہم کو کہتے ہیں کہ جس کے لئے آپ نے کوئی دستہ بھیجا ہو لیکن خود اس میں شمولیت نہ فرمائی ہو۔

غزوات کا ذکر قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں متعدد غزوات کا تذکرہ موجود ہے اور اس معاملہ میں ہمیں وہاں

ایک عجیب حسنِ ترتیب نظر آتی ہے۔قرآن حکیم میں مکیات اور مدنیات کے لحاظ سے سورتوں کے جو سات گروپ بنتے ہیں ان کے بارے میں بنیادی تعارفی باتیں اس منتخب نصاب کے درس کے دوران ایک موقع پر عرض کی جا چکی ہیں۔اس سلسلے کا دوسرا گروپ اس اعتبار سے نہایت متوازن ہے کہ اس میں شامل کل چار سورتوں میں سے دو سورتیں مکی ہیں اور دو ہی سورتیں مدنی ہیں۔سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف مکیات ہیں اور سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ مدنیات ہیں۔اس ترتیب میں ایک عجیب حکمت یہ نظر آتی ہے کہ سلسلۂ غزوات کی پہلی کڑی یعنی غزوۂ بدر کا ذکر سورۃ الانفال میں ہے اور اس سلسلے کی آخری کڑی یعنی غزوۂ تبوک کا تفصیلی ذکر ہے سورۃ التوبہ میں۔گویا کہ ان دونوں سورتوں کو مصحف میں متصلاً رکھ کر اس سلسلۂ غزوات کے نقطۂ آغاز اور نقطۂ اختتام دونوں کو یکجا کر دیا گیا۔

قرآنِ حکیم میں تمام غزوات کا ذکر نہیں ہے۔اب ظاہر ہے کہ جن کا ذکر کیا گیا ہے یقیناً ان کی اہمیت کسی نہ کسی پہلو سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔گویا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد اور آپؐ کے مشن کی تکمیل کی اس کوشش میں اہم سنگ ہائے میل (Land Marks) کی حیثیت رکھتے ہیں۔وہ غزوات کہ جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے ان میں غزوۂ بدر ہے جو رمضان ۲ ھ میں ہوا۔قرآن حکیم کی ایک مکمل سورۃ' یعنی سورۃ الانفال اسی غزوے کے حالات و واقعات اور اس سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے۔اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پوری سورۃ ایک انتہائی مربوط خطبے کی حیثیت سے بیک وقت نازل ہوئی' اس لئے کہ اس کے اوّل و آخر کے درمیان ایک بڑا گہرا منطقی اور معنوی ربط ہے' جس کا حوالہ بعد میں ہماری گفتگو میں آئے گا۔غزوۂ بدر کے فوراً بعد غزوۂ بنی قینقاع ہوا' لیکن اس کا قرآنِ مجید میں ذکر موجود نہیں ہے۔شوال ۳ ھ میں غزوۂ اُحد ہوا۔یہ غزوہ بعض اعتبارات سے نہایت اہمیت کا حامل ہے اور اس میں بعض ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتائج بہت دُور رس نکلے' چنانچہ قرآن مجید میں اس غزوہ کے حالات و واقعات پر بھی نہایت بھرپور تبصرہ موجود ہے۔سورۂ آل عمران کی

ایک سو بیسویں آیت سے یہ مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد تقریباً مسلسل ساٹھ آیات اسی غزوہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد غزوۂ بنونضیر واقع ہوا۔ اس کا ذکر قرآنِ حکیم میں سورۃ الحشر میں ہے۔ پھر ۵ ھ میں غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق پیش آیا۔ اس کا شمار بھی انتہائی اہم غزوات میں ہوتا ہے اور سلسلۂ غزوات میں اسے ایک فیصلہ کن موڑ (Turning Point) کی حیثیت حاصل ہے۔ اس پر سورۃ الاحزاب میں مکمل دو رکوعوں میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے معاً بعد غزوۂ بنوقریظہ ہے جسے غزوۂ احزاب ہی کا ضمیمہ یا تکملہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب ہی میں غزوۂ احزاب کے ذکر کے ساتھ متصلاً اس کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اس کے بعد اگرچہ اور غزوات بھی ہوئے' مثلاً غزوۂ مریسیع اور غزوۂ بنی مصطلق وغیرہ' لیکن قرآنِ مجید میں ان کا ذکر موجود نہیں ہے۔

۶ ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اور یہ نبی اکرم ﷺ کی اس جدوجہد میں ایک بڑے اہم سنگِ میل (Land Mark) کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم اسے فتح مبین سے تعبیر کرتا ہے' اس لئے کہ یہ اہم واقعہ فتح مکہ کی تمہید ثابت ہوا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ پر ایک پوری سورۃ' سورۃ الفتح کے نام سے موجود ہے جس کا آغاز ان الفاظِ مبارکہ سے ہوتا ہے: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝﴾ اس کے بعد ۷ ھ میں غزوۂ خیبر ہوا لیکن قرآن مجید میں اس کے حالات و واقعات کا ذکر موجود نہیں ہے۔ ۸ ھ میں ایک جانب تو جنگِ مُوتہ ہوئی اور سلطنت روم کے ساتھ مسلمانوں کے ٹکراؤ کا آغاز ہوا' اس کا ذکر قرآنِ مجید میں نہیں ہے' اور دوسری جانب فتحِ مکہ جیسا اہم واقعہ ہوا' تاہم اس پر بھی قرآنِ مجید میں صراحتاً کہیں گفتگو نہیں ہوئی' بلکہ اس کا ضمناً ذکر سورۃ التوبہ میں ملتا ہے۔ البتہ اسی سورۃ میں غزوۂ حنین کا ذکر' جسے فتح مکہ ہی کا تکملہ یا تتمہ قرار دیا جا سکتا ہے' نام لے کر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی آخری کڑی یا یوں کہئے کہ سلسلۂ غزوات کا نقطۂ عروج وہ ہے جسے ہم غزوۂ تبوک کے نام سے جانتے ہیں۔ سورۂ توبہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس غزوہ کے حالات و واقعات بھی بیان ہوئے ہیں اور ان پر بڑا مفصل تبصرہ

بھی موجود ہے۔ یہ ہے اجمالی طور پر اِن غزوات کی تاریخ وار ترتیب کہ جو ہجرت کے بعد آٹھ سالوں کے دوران حیاتِ نبوی ﷺ میں واقع ہوئے۔ اب اس سے پہلے کہ ہم ان غزوات کا جو ذکر قرآنِ حکیم میں آیا ہے اور ان کی جن اہم باتوں کی طرف قرآنِ مجید میں توجہ دلائی گئی ہے' ان پر جستہ جستہ غور کرنا شروع کریں' مناسب یہ ہوگا کہ تمہیدی طور پر اپنے ذہن میں اس صورتِ حال کا ایک نقشہ قائم کر لیا جائے جس سے آنحضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ مدینہ میں دوچار تھے اور یہ کہ کس طرح آپ نے غلبۂ دینِ حق کے اس مشن کو' جسے سورۃ الصّف میں آپ ﷺ کا مقصدِ بعثت قرار دیا گیا' مدنی دَور میں درجہ بدرجہ تکمیل تک پہنچایا۔

مدینہ کے خاص حالات

ہم آنحضور ﷺ کی مکّی زندگی سے متعلق کچھ باتوں پر اِس سے پہلے غور کر چکے ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کیا صورت حال تھی۔ مدینہ منوّرہ میں اوس اور خزرج کے نام سے دو قبیلے تو وہ تھے کہ جن کے بارے میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ وہاں کے اصل راجپوت قبیلے تھے۔ اوس نسبتاً چھوٹا قبیلہ تھا جبکہ خزرج عددی اعتبار سے بڑا قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ تین یہودی قبیلے بھی وہاں آباد تھے جن کی حیثیت کچھ مہاجنوں کی سی تھی۔ ان کا نہ صرف علمی اعتبار سے وہاں ایک رعب اور دبدبہ تھا بلکہ تہذیبی و تمدنی اور ثقافتی اعتبار سے بھی ان کی مدینہ میں ایک حیثیت تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روپے پیسے کے اعتبار سے بھی انہیں برتری حاصل تھی۔ یہ قبائل مدینے کے اطراف میں آباد تھے اور نہایت مضبوط گڑھیوں اور قلعوں میں رہتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ جب مدینے تشریف لائے تو اوس اور خزرج کی اکثریت ایمان لے آئی۔ ان میں سے اگرچہ کثیر تعداد ان لوگوں کی تھی جو صدقِ دل سے ایمان لائے تھے تاہم کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اس بنا پر ایمان لائے کہ چونکہ سردارانِ قبیلہ ایمان لے آئے ہیں تو ہم بھی اسلام قبول کئے دیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ وہاں ایسے بھی تھے کہ جو ایمان تو لے آئے لیکن بادلِ ناخواستہ۔ اس طور سے ایمان

لانے والوں میں دو شخصیتیں بہت نمایاں ہیں' ابو عامر اور عبداللہ بن اُبَی بن سلول۔ دونوں کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا کہ جو زیادہ طاقتور اور بڑا قبیلہ تھا۔ ابو عامر کی نیکی اور دینداری کا وہاں لوہا مانا جاتا تھا اور عبداللہ بن اُبَی بن سلول کی سیاسی سمجھ بوجھ کے سب معترف تھے اور اسے ایک بڑا سردار تسلیم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے ورودِ مدینہ سے متصلاً قبل اوس اور خزرج کے مابین اس بات پر اتفاق رائے ہو چکا تھا کہ عبداللہ بن اُبَی بن سلول کو بادشاہ مان کر مدینے میں باقاعدہ ایک بادشاہی نظامِ حکومت قائم کر دیا جائے۔ تاج تیار ہو چکا تھا' لیکن جب آنحضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ظاہر بات ہے کہ خورشیدِ رسالت کے طلوع ہونے کے بعد اب نہ ابو عامر راہب کی نیکی اور دینداری کا چراغ جل سکنے کا کوئی امکان موجود تھا اور نہ ہی اب وہ صورت برقرار رہی کہ کسی کے سر پر یہاں تاجِ شاہی رکھا جا سکے۔ اب وہاں دینی و مذہبی ہی نہیں سیاسی اعتبار سے بھی سیادت و قیادت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہو گئی تھی۔

اس مرحلے پر یہ بات نوٹ کرنے کے لائق ہے اور اس سے قبل بھی اس جانب توجہ دلائی جا چکی ہے کہ آنحضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھی اہلِ ایمان جان بچا کر مکہ سے مدینہ نہیں آئے تھے' یہ فرار نہیں تھا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) بلکہ یہ ایک اہم مقصد کے لئے ایک ایسے مرکز (Base) میں جمع ہونے کا ایک عمل تھا کہ جو اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ اور مسلمانوں کو عطا فرمایا تھا' تاکہ غلبہ دینِ حق کے اس اہم مقصد کی طرف پیش قدمی کی جا سکے جس کے لئے نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی تھی۔ مدینے کو دارالہجرت اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے۔

آنحضور ﷺ کی دُور اندیشی کا شاہکار

نبی اکرم ﷺ نے مدینے تشریف لاتے ہی سب سے پہلا کام جو کیا وہ آپ کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنے اس مشن کی تکمیل کے لئے فوری طور پر ایک نقشہ کار تیار کیا کہ جس کے مختلف تقاضے آپ کے سامنے اس وقت پوری وضاحت کے ساتھ موجود تھے' چنانچہ اس کے مطابق عملی

اقدامات کا آغاز فرمادیا۔ مدینہ تشریف لاتے ہی آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدے کر لئے۔ اور اس طرح انہیں معاہدوں میں جکڑ لیا کہ بعد کے نو دس سالوں کے دوران ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہود ان معاہدوں کی وجہ سے ایک عجیب مشکل میں گرفتار ہو گئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف شدید جذبات رکھنے کے باوجود وہ کوئی فیصلہ کن اقدام کرنے کے قابل نہیں رہے تھے اور خود کو بے دست و پا محسوس کرتے تھے' ہاں در پردہ سازش اور ریشہ دوانی کرنے کی کوششیں انہوں نے ضرور کیں اور بعض مواقع پر مشرکین مکہ کو اشتعال دلا کر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی لیکن وہ براہِ راست اور کھلم کھلا نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں نہیں آ سکے۔ یہی معاہدے کہ جو اُن کے پاؤں کی بیڑیاں بنے تھے بالآخر اُن کے گلے کا طوق بھی بنے۔ اور انہی معاہدوں کو توڑنے کی پاداش میں وہ تینوں قبیلے باری باری اپنے انجام کو پہنچے۔ ان میں سے دو قبیلوں کو مختلف مراحل پر مدینہ بدر کیا گیا اور ایک کو اُن کی بدعہدی کی سخت ترین سزا دی گئی کہ ان کے تمام لڑائی کے قابل مَردوں کے سر قلم کئے گئے۔

مسلمانوں کی جنگ دفاعی نہیں تھی!

اس حوالے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اس دَور میں ہمارے بعض دانش وروں اور اہلِ علم نے سیرتِ طیّبہ کے ان غزوات کے معاملے میں جو معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا ہے کہ یہ صرف دفاعی جنگ تھی ورنہ اسلام اپنے غلبے کے لئے جنگ اور خون ریزی کے راستے کو اختیار نہیں کرتا' یہ درست نہیں ہے۔ مغرب سے یہ بات دراصل کچھ اس انداز میں طعنے کے طور پر ہمارے بارے میں کہی گئی اور یہ الزام کچھ اس شدّت کے ساتھ لگایا گیا کہ ع ''بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے'' کہ ردِّ عمل کے طور پر ہمارے ہاں سے ایک نہایت معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا گیا اور یہ انداز بالخصوص ان طبقات نے اختیار کیا جو مغرب کی مادّی اور سائنسی ترقی سے ذہنی طور پر مرعوب تھے۔

اس میں تو ہرگز کوئی شک نہیں کہ ابتداء بہر حال اہلِ مکہ کی طرف سے ہوئی' لیکن

وہ ابتداء ان معنوں میں تھی کہ انہوں نے مکہ میں مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ ڈالے اور انہیں ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اس اعتبار سے گویا کہ مشرکینِ مکہ کی طرف سے تو جنگ کا اعلان پہلے سے تھا۔ یہ بات دوسری ہے کہ مکی دور میں اہلِ ایمان کے ہاتھوں کو باندھ دیا گیا تھا۔ انہیں حکم تھا: ﴿کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ﴾ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر پابندی تھی اور انہیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن پھر ایک وقت آیا کہ وہ اجازت آ گئی۔ جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے، دورانِ سفر ہجرت سورۃ الحج کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۞ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ؕ﴾ (آیات ۳۹، ۴۰)

''آج اجازت دی جا رہی ہے ان کو کہ جن پر جنگ ٹھونسی گئی تھی، اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ (اب وہ بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے (جو گھر بار کو چھوڑ کر ترکِ وطن پر مجبور کر دیئے گئے) صرف اس جرم کی پاداش میں کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے۔''

گویا کہ اس معنی میں اگر کہا جائے کہ آغاز مشرکینِ مکہ کی طرف سے ہوا تو بات غلط نہیں ہے، لیکن اگر اس کے معنی یہ سمجھے جائیں کہ مدینے پر حملہ بھی یک طرفہ طور پر انہی کی جانب سے تھا اور مسلمانوں نے مدافعانہ جنگ لڑی ہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں جیسے ہی اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو تمکن عطا فرمایا اور مسلمانوں کو ایک مرکز میسر آ گیا تو آپؐ نے مکّے کی طرف اقدام کا آغاز کر دیا۔ مکّے کی جانب آنحضور ﷺ کی اوّلین پیش قدمی کس طور سے ہو سکتی تھی، اسے اس واقعے کی روشنی میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ ؓ عمرے کے لئے مکّے تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے۔ ابوجہل پوچھتا ہے یہ کون صاحب ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ سعد بن معاذ ؓ ہیں تو وہ بپھر کر غصے میں کہتا ہے کہ تم نے ہمارے بھگوڑوں کو

پناہ دی ہے اور اگر تم لوگوں نے انہیں اپنے ہاں سے نکال باہر نہ کیا تو ہم بیت اللہ میں تمہارا داخلہ بند کر دیں گے۔ اس کا فوری جواب جو حضرت سعد بن معاذؓ نے دیا وہ یہ تھا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہاری اس تجارتی شاہراہ کو بند کر دیں گے جو تمہاری رگِ جاں کی حیثیت رکھتی ہے اور جو مدینے کے قریب سے ہو کر گزرتی ہے۔ ابو جہل کی دھمکی کے جواب میں فوری طور پر حضرت سعد بن معاذؓ کا ذہن اس جانب منتقل ہو گیا۔ آنحضور ﷺ نے قریشِ مکّہ کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔

غزوۂ بدر کا ایک اہم سبب...... کفارِ مکّہ کی معاشی ناکہ بندی

جدید اصطلاح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے مکّے والوں کا Economic Blockade کر دیا' ان کے تجارتی راستوں کو مخدوش بنا کر ان کی معاشی ناکہ بندی کا سامان کر دیا۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں یہ حقائق محفوظ ہیں کہ غزوۂ بدر سے قبل آنحضور ﷺ نے ان تجارتی راستوں کو مخدوش بنانے کے لئے آٹھ مہمیں روانہ کیں' جن میں سے بعض میں آپؐ نے خود بھی شرکت فرمائی۔ انہی میں سے ایک مہم کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں ایک قرشی کافر مارا بھی گیا' گویا اس معاملے میں پہل مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ مکّے والوں کی معاشی ناکہ بندی کرنا درحقیقت سانپ کو بل سے نکلنے پر مجبور کر دینے کے مترادف تھا۔ چنانچہ ابو جہل اور اس کے وہ ساتھی جو قریش میں سے Hawks کی قسم کے تھے اور کسی نہ کسی بہانے سے بہر صورت مدینے پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے' انہیں اس حوالے سے ایک موقع مل گیا۔ انہوں نے جس چیز کو بنیاد بنایا وہ یہی تھی کہ مسلمانوں نے ہمارے تجارتی قافلوں پر حملے شروع کر دیئے ہیں' ہمارا ایک آدمی قتل کر دیا ہے اور اب ہمارا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ جو مال و اسباب سے لدا پھندا شام سے واپس آ رہا ہے' اسے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے شدید خطرہ لاحق ہے۔ ان باتوں کو بنیاد بنا کر کیل کانٹے سے لیس ہو کر ایک ہزار کا لشکر مکّے سے نکلا۔ ادھر نبی اکرم ﷺ کو بھی خبریں پہنچ رہی تھیں۔

آپؐ نے اپنے طور پر بھی گرد و پیش کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے اور کفارِ مکہ کے ردِعمل کا جائزہ لینے کے لئے خبریں حاصل کرنے کا ایک مؤثر نظام تشکیل دیا ہوا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ کے لئے تو خبر کا ایک دوسرا اور معتبر ترین ذریعہ وحیٔ الٰہی کی صورت میں بھی موجود تھا۔

غزوۂ بدر سے قبل آنحضور ﷺ کی مشاورت

آپؐ تین سو تیرہ جاں نثار ساتھیوں کی معیت میں مدینہ سے نکلے اور ذرا باہر نکل کر اور ایک رائے کے مطابق مدینہ کے اندر ہی (یہ کچھ اہم تاریخی واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے) ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اور وہاں مسئلہ یہ رکھا کہ ایک طرف تو قافلہ ہے جو قریش کے سردار ابوسفیانؓ (جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) کے زیرِ قیادت شام سے آ رہا ہے' اس کے ساتھ کل پچاس محافظ ہیں' اور دوسری جانب ایک لشکر ہے جو مکے سے نکلا ہے' اب تم لوگ سوچ کر مشورہ دو کہ ہمیں کس طرف کا رخ کرنا چاہئے' کس کی طرف بڑھنا چاہئے۔ یہ انداز درحقیقت آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے عزم و ہمت (morale) کا اندازہ کرنے کے لئے اختیار فرمایا تھا کہ ان کے اندر اللہ کی راہ میں سرفروشی اور جانفشانی کا جذبہ کس درجے میں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس موقع پر تقریر فرمائی۔ یہ تقریر جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے لبریز تھی۔ آنحضور ﷺ نے ایک خاص سبب سے اس تقریر کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی۔ حضرت عمرؓ نے تقریر فرمائی' آپؐ نے اُدھر بھی کوئی خصوصی التفات نہیں فرمایا۔ اس کے بعد حضرت مقدادؓ نے تقریر کی۔ ان کی تقریر اس اعتبار سے قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کی تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں آپ اصحابِ موسیٰؑ پر قیاس نہ کیجئے کہ جنہوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ: ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾ آپؐ جدھر کا بھی ارادہ رکھتے ہوں بسم اللہ کیجئے! کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے ذریعے سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما

دے...... لیکن آنحضور ﷺ پھر بھی ابھی کچھ منتظر سے تھے۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے جو رؤساءِ انصار میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔ وہ چونکہ خزرج کے سردار تھے لہٰذا مدینے میں گویا کہ ان کی حیثیت سب سے بڑھ کر تھی۔ انہوں نے اس بات کو بھانپتے ہوئے کہ آنحضور ﷺ کس چیز کے انتظار میں ہیں' کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔

اس معاملہ کا پس منظر جان لینا چاہئے کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ہونے والا وہ قول و قرار جو آنحضورؐ اور اہل مدینہ کے درمیان ہوا تھا اور جس کے نتیجے میں مدینہ دارالہجرت بنا' اس میں یہ شق تو موجود تھی کہ مدینے پر اگر کوئی حملہ آور ہوگا تو انصار آنحضور ﷺ کا ساتھ دیں گے اور آپؐ کی طرف سے مدافعت کریں گے' لیکن ایسی کوئی صورت کہ مدینے سے باہر نکل کر کہیں اگر جنگ کا معاملہ پیش آ جائے تو اس میں آنحضور ﷺ کا ساتھ دینے یا نہ دینے کی بات اس قول و قرار میں زیر بحث نہیں آئی تھی اور کوئی معاہدہ اس بارے میں طے نہیں پایا تھا۔ یہی وہ بات تھی کہ جس کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کی نگاہیں بار بار انصار کی طرف اٹھ رہی تھیں اور آپ انتظار میں تھے کہ ان کی طرف سے بھی کوئی بات اس موقع پر سامنے آئے...... اس پس منظر میں حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں' ہم نے آپ کو اللہ کا رسول مانا ہے۔ یہ گویا ان کی جانب سے اس حقیقت کا اظہار تھا کہ یہ چیز اب اہمیت کی حامل نہیں رہی کہ بیعتِ عقبہ اولیٰ میں یا ثانیہ میں کیا طے ہوا تھا اور کیا طے نہیں ہوا تھا۔ صورت حال یہ ہے کہ ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے' آپؐ کو رسول مانا ہے' اب آپؐ جدھر کا بھی حکم دیں گے ہم حاضر ہیں۔ اگر آپؐ ہمیں حکم دیں گے کہ ہم اپنی سواریوں سمیت سمندر میں چھلانگ لگا دیں تو ہم حاضر ہیں' اور اگر آپ ہمیں برک الغماد تک چلنے کا حکم دیں گے تو ہم اپنے اونٹوں کو مسلسل دوڑاتے اور لاغر کرتے ہوئے وہاں تک پہنچا دیں تو ہم ان شاء اللہ آپ کے اس حکم کی بھی تعمیل میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ آنحضور ﷺ نے جب حضرت سعد بن عبادہؓ کی یہ جذبات پرور تقریر سنی تو آپؐ

کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ یہ درحقیقت اصحاب رسول ﷺ کی جانب سے جاں نثاری اور دین کے لئے سرفروشی اور جانفشانی دکھانے کے عزم کا اظہار تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے مشن کی تکمیل کی خاطر اپنی جان و مال کو قربان کر دینا باعث سعادت سمجھتے تھے۔

اللہ اور مسلمانوں کے مابین بیع و مبایعت

آج گفتگو کے آغاز میں سورۂ براءۃ کی جس آیت کی تلاوت کی گئی تھی اس میں اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔ گویا ایک بیع و شراء ہو چکا ہے' ایک سودا طے پا چکا ہے۔ اس جسم و جان اور مال و منال کی حیثیت ایک امانت کی ہے کہ جیسے ہی مطالبہ ہو' حاضر کر دیں۔ چنانچہ اس آیت کے یہ الفاظ خاص طور پر لائق توجہ ہیں: ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ کہ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں' قتل کرتے بھی ہیں اور خود قتل ہوتے بھی ہیں۔ یعنی میدانِ جنگ میں پامردی اور جانفشانی سے کام لیتے ہوئے جہاں اللہ اور اس کے رسول کے باغیوں کی گردنیں اڑاتے ہیں وہاں خود اپنی جانوں کا نذرانہ بھی بارگاہِ ربانی میں پیش کر کے سرخرو ہونے کو باعث اعزاز جانتے ہیں۔ اس کے بعد اہل ایمان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ: ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾ جو معاہدہ ہوا ہے' جو بیع و شراء ہوا ہے' اب اس کا پورا کرنا اللہ کے ذمے ہے۔ یعنی اہل ایمان اگر اس معاہدے کو نبھائیں گے تو اللہ کا یہ پختہ وعدہ ہے کہ اس کی قیمت وہ جنت کی شکل میں اہل ایمان کو ضرور ادا کرے گا۔ یہ وہ پختہ وعدہ ہے جو توراۃ میں بھی ہوا' انجیل میں بھی ہوا اور انتہائی موثق اور مؤکد انداز میں قرآن میں بھی ہوا۔ مزید تسلی کے لئے فرمایا: ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا وفا کرنے والا اور کون ہوگا؟ ﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ﴾ تو اے اہل ایمان! خوشیاں مناؤ اس بیع کی جو تم نے کی ہے۔ وہ سودا جو تم

نے کیا ہے اس سے زیادہ کامیاب اور اس سے زیادہ نفع بخش سودا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔
﴿وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ "اور یہی تو ہے اصل اور بڑی کامیابی"!

قتال فی سبیل اللہ کا اصل ہدف

اس قتال فی سبیل اللہ کا قرآن حکیم نے جو ہدف معین کیا ہے وہ بھی واضح طور پر ہمارے سامنے رہنا چاہئے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۳ کے درج ذیل الفاظ کے حوالے سے بھی یہ مضمون ہمارے مطالعے میں آچکا ہے کہ ﴿وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ﴾ اے مسلمانو! جنگ کرو اِن کفار اور مشرکین سے' یہاں تک کہ فتنہ بالکل فرو ہو جائے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ یہی بات انتہائی مؤکد ہو کر قدرے مزید تفصیل کے ساتھ سورۃ الانفال میں بھی آئی ہے کہ جس میں غزوۂ بدر کے حالات و واقعات کا تفصیلی ذکر موجود ہے' جو نقطۂ آغاز ہے اس سلسلۂ قتال کا۔ وہاں فرمایا: ﴿وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ج﴾ اور ان کفار اور مشرکین کے ساتھ جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ زندگی کے بعض گوشوں میں اللہ کی اطاعت ہو رہی ہو اور بعض گوشوں میں اپنے نفس کی یا زمانے کے چلن کی یا کسی باطل نظام کی پیروی کی جا رہی ہو۔ زندگی کا ہر گوشہ اور بالخصوص اجتماعی نظام جب تک اللہ کے تابع نہیں ہوتا تمہاری یہ جنگ جاری رہنی چاہئے۔

سورۃ الصف کی مرکزی آیت جب ہمارے زیر مطالعہ تھی کہ جس کے الفاظ یہ ہیں: ﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ط﴾ تو اُس وقت عرض کیا گیا تھا کہ یہاں پر "الدِّیْنِ کُلِّہٖ" سے کل کا کل نظام زندگی مراد ہے۔ اس کے لئے سورۃ الانفال کی یہ آیت درحقیقت "اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا" کے اعتبار سے ایک یقینی دلیل کی حیثیت رکھتی ہے کہ 'الدِّین' ' کے لئے بدل کے طور پر 'کُل' ' کا لفظ یا تو سورۃ الصف کی اس آیت میں آیا ہے جو قرآن حکیم میں دو اور مقامات پر بھی وارد ہوئی ہے اور یا سورۃ الانفال کی اس آیت میں آیا ہے کہ:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ اور یہاں کُل دین کا ترجمہ تمام ادیان کرنا ممکن نہیں۔ پورا نظامِ زندگی بحیثیتِ کُل اللہ کے دین کے تحت آ جائے' یہ ہے مقصدِ بعثت محمدٌ رسول اللہ ﷺ کا۔

غزوۂ بدر...... یوم الفرقان

سورۃ الانفال' جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے' تقریباً پوری کی پوری غزوۂ بدر ہی سے متعلق ہے۔ بعض ایسے مسائل جو غزوۂ بدر کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے' مثلاً مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ' ان کا حل بھی اس سورۃ میں تجویز کیا گیا اور اس غزوے کے دوران جو حالات پیش آئے اور مسلمانوں سے اگر کہیں کسی کوتاہی کا صدور ہوا' ان سب پر اللہ کی طرف سے ایک نہایت جامع تبصرہ اور آئندہ کے لئے اصولی ہدایات بھی اس سورۂ مبارکہ میں شامل ہیں۔ گویا پوری سورۃ غزوۂ بدر کے گرد گھومتی ہے۔ غزوۂ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کو یوم الفرقان قرار دیا' یعنی حق و باطل کے مابین تمیز والا دن۔ اس دن معلوم ہو گیا کہ اللہ کی نصرت و حمایت کس کے ساتھ ہے' ان کفارِ مکہ کے ساتھ کہ جو ایک ہزار کی تعداد میں ہر طرح کے ہتھیار سجا کر میدانِ بدر میں آئے تھے یا ان تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمانوں کے ساتھ جن کا رسالہ کل دو گھوڑوں پر مشتمل تھا اور جن میں سے سب کے پاس ہتھیار بھی مکمل نہ تھے۔ کسی کے پاس تلوار تھی تو نیزہ نہ تھا اور اگر نیزہ کسی کے پاس تھا تو تلوار نہ تھی' اور ایسے بھی تھے جو نیزہ اور تلوار دونوں سے تہی تھے۔ پھر یہ کہ ان بے سروسامان مسلمانوں کی عظیم اکثریت ان انصار پر مشتمل تھی کہ جن کو قریش جنگجو قوم ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے بارے میں قریشِ مکہ کا یہ خیال تھا کہ یہ کاشت کار لوگ ہیں' لڑنے بھڑنے سے انہیں کیا سروکار! وہ تین سو تیرہ ایک ہزار کے کیل کانٹے سے لیس ہر طرح سے مسلح لشکر سے ٹکرا گئے اور اسے ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ یوں سمجھئے کہ مکے نے اپنی اصل طاقت کو وہاں اگل دیا تھا' ان کی کُل جمعیت میدانِ بدر میں موجود تھی۔ عتبہ بن ربیعہ اور ابوجہل جیسے بڑے بڑے سردار کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی مانند

میدانِ بدر میں پڑے تھے۔ وہ دن واقعی یوم الفرقان تھا' اس نے حق و باطل کے مابین تمیز کر دی' دودھ کا دودھ پانی کا پانی جدا کر دیا۔ اس شاندار فتح سے مسلمانوں کا مورال یقیناً بہت بلند ہوا۔ پورے علاقے پر مسلمانوں کا دبدبہ قائم ہو گیا۔ اس طرح ہجرت کے دو ہی سال بعد صورتِ حال ایک دم اس طرح تبدیل ہو گئی کہ وہ کسمپرسی اور مظلومیت کا دَور گویا کہ ختم ہوا اور مسلمانوں کی دھاک پورے علاقے پر بیٹھ گئی۔ صورتِ حال کی یہ ساری تبدیلی دراصل نتیجہ تھا غزوۂ بدر کا جسے اللہ تعالیٰ نے بجا طور پر یوم الفرقان قرار دیا تھا!

بندۂ مؤمن کی تصویر کے دو رُخ

غزوۂ بدر کے جن حالات اور واقعات پر تبصرہ سورۃ الانفال میں آیا ہے ظاہر بات ہے کہ اس مختصر گفتگو میں اس کی اہم باتوں کی طرف بھی اشارہ ممکن نہیں ہے' البتہ سورۃ الانفال کے آغاز و اختتام پر وارد شدہ چند آیات کے حوالے سے بطورِ یاددہانی ایک ایسی حقیقت کی طرف توجہ مناسب رہے گی کہ جو ہمارے اس منتخب نصاب کے لئے گویا کہ عمود اور اس کے مرکزی مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے بالکل شروع میں اور پھر اس کے اختتام پر ایسی آیات وارد ہوئی ہیں کہ جنہوں نے سورۃ الحُجرات کی آیت ۱۵ کی مانند حقیقی ایمان کی تعریف کو بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اپنے اندر سمو لیا ہے اور ایمان کے دونوں اجزاء (یعنی یقینِ قلبی اور جہاد فی سبیل اللہ) کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ الگ الگ نمایاں کیا ہے۔ ایمانِ حقیقی کے کچھ اثرات تو وہ ہیں جن کا تعلق باطنی کیفیات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ کی یاد اگر دل میں تازہ ہو' اس کی عظمت اور دبدبہ و جلال سے اگر انسان کو کسی قدر آگاہی ہو اور ہر دم یہ احساس اگر اس کے دامن گیر ہو کہ اس کا ہر عمل اللہ کی نگاہ میں ہے تو اس کا طرزِ عمل ایک خاص سانچے میں ڈھل جاتا ہے' اس کے صبح و شام کے انداز میں ایک خاص تغیر واقع ہوتا ہے جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ وہ جھوٹ موٹ کا مدعیٔ ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان اس کے

دل میں راسخ ہو چکا ہے۔ اور ایمانِ حقیقی کا دوسرا رکنِ رکین وہ ہے جس کے لئے سورۃ الحُجُرات میں ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے الفاظ آئے ہیں اور جس کا ذکر اس کے بعد سورۃ الصّف میں بھی ہمارے مطالعے میں آ چکا ہے۔ سورۃ الانفال میں ایمان کے ان دونوں ارکان کو ایک اچھوتے انداز میں جمع کیا گیا ہے۔ آغاز میں آیات ۲ تا ۴ میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾

''مؤمن تو بس وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز اٹھیں اور جب انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائی جائیں تو اس سے ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے' اور وہ اپنے ربّ پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ کہ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے لگاتے اور کھپاتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جو حقیقتاً مؤمن ہیں۔ ان کے لئے ان کے ربّ کے پاس اعلیٰ درجات اور بخشش اور نہایت اعلیٰ رزق ہے۔''

بندۂ مؤمن کی زندگی کا ایک رُخ' یا یوں کہیے کہ بندۂ مؤمن کی شخصیت کی تصویر کا ایک پہلو اِن تین آیات میں آ گیا۔ اسی تصویر کا دوسرا رُخ وہ ہے جو سورۃ الانفال کے بالکل آخر میں آیت ۷۴ میں آ رہا ہے۔ یہاں ذہن میں رکھئے کہ اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت کے بعد وہ تین آیات آئی ہیں جن کا مطالعہ ابھی ہم نے کیا' جن میں بندۂ مؤمن کی تصویر کا ایک دوسرا رُخ سامنے آتا ہے اور اس سورۃ کی آخری آیت سے پہلی (Last but one) آیت میں دوسرے پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے جس کا اب ہمیں مطالعہ کرنا ہے۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ (آیت ۷۴)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور انہوں نے جہاد کیا

اللہ کی راہ میں، اور وہ لوگ کہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، یہ ہیں وہ لوگ کہ جو حقیقی مؤمن ہیں۔ ان کے لئے مغفرت بھی ہے اور بہت اعلیٰ رزق بھی۔"

معلوم ہوا کہ بندۂ مؤمن کی تصویر کے یہ دو رُخ ہیں اور ان دونوں کے مجموعے سے ہی بندۂ مؤمن کی تصویر مکمل ہوتی ہے۔ ہمارے اس منتخب نصاب میں اس سے پہلے سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع میں اہلِ ایمان کی زندگی کا ایک نقشہ سامنے لایا گیا تھا اور وہاں ہجرت اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ والے پہلو کو اُجاگر کیا گیا تھا۔ یہ وہی بات ہے جس کا تذکرہ یہاں سورۃ الانفال کے آخر میں آیا ہے۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت کے الفاظ ذرا ذہن میں تازہ کیجئے:

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا......﴾ (آیت ۱۹۵)

دوسرا نقشہ یا بندۂ مؤمن کی تصویر کا دوسرا رُخ وہ ہے جو اس سے قبل ہمارے زیر مطالعہ آچکا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ (النور:۳۷)

اب دونوں کو جمع کرنے سے بندۂ مؤمن کی شخصیت کی تصویر مکمل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ ع "اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں" کے مصداق ایک ہی حقیقت کو مختلف اسالیب میں بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیات اس کی واضح مثال کا درجہ رکھتی ہیں۔

غزوۂ اُحد — فتح کے بعد وقتی شکست

سورۃ الانفال کی ان ابتدائی اور آخری آیات کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے اوّل و آخر کے مابین بڑا گہرا معنوی ربط موجود ہے اور اس سے اس جانب بھی رہنمائی ملتی ہے کہ یہ پوری سورۂ مبارکہ بیک وقت ایک مربوط خطبے کی حیثیت سے نازل ہوئی۔ آگے چلئے! غزوۂ بدر سے جو صورتِ حال پیدا ہوئی

اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ آس پاس کے قبائل پر مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ قائم ہو گیا اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ لیکن اگلے ہی سال صورتِ حال اس کے برعکس ہو گئی۔ اہل مکّہ نے بدر کی شکست کے بعد مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے اپنی پوری قوّتوں کو جمع کیا۔ انتقام لینا عربوں کی گھٹی میں شامل ہے۔ اپنے ستر سر برآوردہ لوگ جن کی لاشوں کو وہ میدانِ بدر میں چھوڑ آئے تھے' ان کے انتقام کی آگ قریش مکّہ کے سینوں میں اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ پورے اہتمام اور پوری تیاری کے ساتھ اگلے ہی سال ۳ ہجری کے ماہِ شوال میں تین ہزار کا لشکر جرار اب براہِ راست مدینے پر حملہ آور ہوتا ہے۔ لشکر کی خبر سن کر آنحضور ﷺ مشاورت طلب فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ کا اپنا رجحان یہ تھا کہ مدینہ منورہ کے اندر محصور ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ حسن اتفاق کہئے یا سوئے اتفاق کہ یہی رائے منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی کی تھی۔ لیکن مسلمانوں میں سے کچھ نوجوان جن کے دل شوقِ شہادت اور جذبۂ جہاد سے معمور تھے' ان کا جوش اور جذبہ اس درجے تھا کہ انہوں نے اس پر زور دیا اور اصرار کیا کہ کھلے میدان میں جا کر جنگ کی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے اس جذبۂ ایمانی کا لحاظ رکھا اور اپنی رائے پر ان کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ صادر فرما دیا۔ دامنِ اُحد میں مقابلہ ہوا۔ اس موقع پر پہلی مرتبہ نفاق کا عملی ظہور ہوتا ہے۔ اگرچہ غزوۂ بدر کے بیان میں بھی قرآن مجید نشان دہی کرتا ہے کہ اُس وقت بھی ایسے کچھ لوگ موجود تھے جو یہ چاہتے تھے کہ لشکرِ کفّار کا مقابلہ کرنے کی بجائے ابوسفیان جس قافلہ کو لے کر شام سے آ رہے تھے اس کا تعاقب کیا جائے۔ چنانچہ اس پر قرآن مجید نے اسی اعتبار سے تنقید بھی کی کہ ان لوگوں کو شاید دنیا زیادہ عزیز تھی' یا پھر اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دینا ان کے نزدیک کچھ اتنا زیادہ خوش آئند نہ تھا' لیکن یہ ابھی ابتداء تھی اور مرضِ نفاق ابھی پوری طرح ظاہر نہیں ہوا تھا۔

ابھی تک جو معاملہ صرف ضعفِ ایمان کا تھا اگلے سال غزوۂ اُحد کے موقع پر وہ نفاق ایک ادارے کی حیثیت سے پوری طرح سامنے آتا ہے کہ عین اس وقت جب نبی

اکرم ﷺ ایک ہزار کی نفری لے کر مدینہ منورہ سے نکلے اور ابھی میدانِ جنگ تک نہیں پہنچے کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول اسی بات کو بہانہ بنا کر تین سو اشخاص کو لے کر مدینہ واپس چلا جاتا ہے کہ چونکہ میری رائے پر عمل نہیں ہوا' مدینے کے اندر رہ کر چونکہ مقابلہ نہیں کیا جا رہا لہٰذا ہم ساتھ نہیں دیں گے۔ اور اب دامنِ اُحد میں محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ہزار کی نفری میں سے سات سو افراد باقی رہ جاتے ہیں۔ اس جنگ کی تفصیل بیان کرنا یہاں ہمارے پیش نظر نہیں ہے' صرف بعض واقعات اور ان کے نتائج کی جانب مختصر اشارہ مقصود ہے۔ پہلے ہی ہلے میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی' کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے' لیکن پھر نبی اکرم ﷺ کے ایک حکم کی خلاف ورزی جو بعض مسلمانوں سے صادر ہوئی' اس کا ایک فوری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ فتح عارضی طور پر شکست میں تبدیل ہوگئی۔ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کا شہید ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ ان ستر میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بھی شامل تھے اور حضرت مصعب بن عمیر بھی' رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ وہ مصعب کہ جن کی دعوت و تبلیغ اور قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کے نتیجے میں اہل یثرب کی ایک بڑی تعداد ایمان لے آئی تھی اور مدینہ منورہ کو دارالہجرت بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ ستر صحابہؓ نے میدانِ اُحد میں جامِ شہادت نوش کیا۔ خود آنحضور ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے' آپؐ پر کچھ دیر کے لئے غشی طاری ہوئی۔ یہ بات اڑا دی گئی کہ آنحضور ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کی ہمتیں جواب دے گئیں یہاں تک کہ حضرت عمر ﷺ نے بھی تلوار پھینک دی۔ ان سارے حالات و واقعات کا ظاہر بات ہے کہ تفصیلاً بیان یہاں ممکن نہیں ہے۔

قرآن مجید نے غزوۂ اُحد کے حالات پر بڑا مفصل تبصرہ فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیات کا مطالعہ ہم ان شاء اللہ ابھی کریں گے۔ اس جنگ کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ غزوۂ بدر کے بعد قبائل عرب پر مسلمانوں کی جو دھاک بیٹھ گئی تھی وہ جاتی رہی۔ میدانِ بدر میں تین سو تیرہ کو جو فتح مبین حاصل ہوئی تھی اس کا وہ تاثر برقرار نہ رہا' اس لئے کہ غزوۂ اُحد کے بعد صورت یہ سامنے آئی کہ وہاں (بدر میں) اگر ستر کفار قتل ہوئے تھے تو

یہاں (دامنِ اُحد میں) ستر مسلمان شہید ہو گئے۔ اس طرح وہ دبدبہ اور رعب جو مسلمانوں کا قائم ہوا تھا' وہ اب جاتا رہا۔ قریش مکہ آس پاس کے لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہے کہ یہ فتح و شکست کا معاملہ تو اتفاق ہوتا ہے' کبھی کوئی ایک فریق غالب آ جاتا ہے اور کبھی فتح دوسرے کا مقدر بنتی ہے' اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ محمد ﷺ واقعتاً اللہ کے رسول ہیں اور ان کو اللہ کی خصوصی تائید حاصل ہے۔ تو غزوۂ اُحد کے بعد کے ایک دو سال مسلمانوں کے لئے بڑی ہی آزمائش کے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اطراف و جوانب میں سب لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں۔ چنانچہ اب مسلمانوں پر حملے ہو رہے ہیں' تاخت و تاراج ہو رہا ہے' ان پر چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ وقت بڑی سختی کا تھا اور اس سختی کا نقطۂ عروج ہے غزوۂ احزاب جو غزوۂ اُحد کے دو سال بعد پیش آیا۔

غزوۂ اُحد کا ذکر قرآن حکیم میں

غزوۂ اُحد پر نہایت مفصل تبصرہ سورۂ آل عمران کی آیات ۱۲۱ تا ۱۸۰ میں وارد ہوا ہے۔ ان میں سے صرف چند آیات کا رواں ترجمہ اس وقت کر لینا مناسب ہو گا تاکہ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو جو وقتی شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس کے جو اثرات مسلمانوں پر مرتب ہو رہے تھے' ان کے حوالے سے یہ بات سامنے آ جائے کہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو کیا رہنمائی عطا فرمائی گئی۔ یہ سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸ ہیں کہ جن کا ترجمہ میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''اے مسلمانو! نہ بددل ہو اور نہ ہی غمگین' اگر تم ایمان پر ثابت قدم رہے تو بالآخر غالب تم ہی ہو گے' تم ہی سربلند ہو گے''۔

اگلی آیت میں تسلی کے انداز میں فرمایا:

﴿اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ﴾

''اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے (تمہیں اگر کوئی چرکا لگا ہے) تو سوچو تمہارے

دشمنوں کو بھی ایسا ہی چرکا لگ چکا ہے''۔

گویا کہ بات یہ فرمائی جا رہی ہے کہ وہ اگر اس چرکے سے بددل نہ ہوئے اور اپنے معبودانِ باطل کے لئے ان کی سرفروشی کا عالم یہ ہے کہ تمہارے ہاتھوں ایک نہایت کاری زخم کھانے کے باوجود اگلے ہی سال وہ اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے پھر تم پر حملہ آور ہو گئے تو تم کیوں اپنا دل تھوڑا کر رہے ہو۔

ابتلاء و آزمائش کی حکمت

اس کے بعد آیت کے اگلے ٹکڑے میں واضح فرما دیا کہ حالات کی یہ تبدیلی اور فتح و شکست کا یہ الٹ پھیر بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ﴾

''یہ تو وہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے مابین الٹتے پلٹتے رہتے ہیں''۔

یہ اونچ نیچ کا معاملہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت کرتا ہے۔

﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ﴾

''تا کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ کون ہیں واقعتاً اہل ایمان اور تا کہ وہ تم میں سے بعض کو گواہ بنا لے۔ (کچھ کو مرتبہ شہادت عطا فرما دے)''۔

ابتلاء و آزمائش کی یہی تو وہ کسوٹی ہے جس پر تمہیں پرکھا جائے گا۔ ان امتحانات کے ذریعے تمہارے ایمان کو جانچنا مقصود ہے۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ العنکبوت کے درس میں ہمارے زیر مطالعہ آ چکا ہے' بلکہ سورۃ البقرۃ کی بعض آیات کے حوالے سے بھی سامنے آ چکا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ تم میں سے بعض جاں نثاروں کی جان کا نذرانہ قبول کر کے وہ تم میں سے کچھ کو گواہ بنا لینا چاہتا ہے' انہیں شہادت سے سرفراز فرمانا چاہتا ہے۔ یہ ہے وہ مقام جس کے بارے میں عرض کیا گیا تھا کہ پورے قرآن حکیم میں صرف یہ وہ آیت ہے کہ جہاں ''شہید'' کے معنی مقتول فی سبیل اللہ لینے کا امکان ہے۔ گویا مسلمانوں کے لئے خوشخبری ہے کہ اللہ ان میں سے بعض سرفروشوں کو کہ جو اپنی جان دے کر اللہ کی گواہی دیں' اس بلند مرتبے اور مقام پر فائز کرنا چاہتا ہے جس کا نام

مرتبہ شہادت ہے۔اس آیت کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا''۔

کہیں شیطان تمہارے ذہن میں یہ خیال نہ ڈال دے کہ اللہ نے اگر کفّار کو کچھ فتح دے دی ہے تو شاید وہ اب کفّار سے محبّت کرنے لگا ہے!

اگلی آیت میں اس حکمتِ ابتلاء کو مزید واضح فرمایا گیا: ﴿وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''تمحیص'' کا لفظ کسی چیز کو چھان پھٹک لینے کے مفہوم میں آتا ہے۔ ہمارے ہاں اردو بول چال میں بحث و تمحیص کی ترکیب عام استعمال ہوتی ہے۔ بحث کے معنی ہیں کریدنا اور تمحیص سے مراد ہے کہ جو کچھ کرید کر حاصل ہوا ہے اس کو چھان پھٹک کر اس میں سے جو چیز مطلوب ہے اُسے نکال لینا۔ تو ﴿وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''اور تاکہ اللہ اہلِ ایمان کی چھانٹی کرے'' یعنی اللہ چاہتا ہے کہ اس طرح کے کٹھن امتحانات سے اہلِ ایمان کو گزار کر انہیں جانچ لے کہ ان میں سے کون واقعتاً اللہ اس کے رسول ﷺ اور آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں اور کون ہیں کہ جو نام نہاد مؤمن ہیں اور محض روایتی طور پر اور دوسروں کی تقلید میں دائرۂ اسلام میں شامل ہو گئے ہیں' کہ چونکہ قبیلے کے سردار نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا لہٰذا وہ بھی اس کی پیروی میں ایمان لے آئے۔ ﴿وَیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ ''اور تاکہ اللہ کافروں کو مٹا دے''۔ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ کافروں کو تو بالآخر مٹا کر چھوڑے گا' البتہ اس درمیانی عرصے میں یہ اونچ نیچ اس غرض سے ہوتی ہے کہ امتحان' ابتلاء اور آزمائش کے تقاضے پورے ہو جائیں۔ اس کے بعد آتی ہے وہ آیت جس کا اس سے پہلے بھی حوالہ دیا جا چکا ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ﴾

''کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ کون ہیں تم میں سے واقعتاً جہاد کرنے والے (جو جہاد کا حق ادا

کرنے والے ہیں) اور ابھی اس نے دیکھا ہی نہیں کہ کون ہیں تم میں سے جو
واقعتاً صبر کرنے اور جھیلنے والے ہیں''۔

لفظ ''صابرین'' کو یہاں خاص طور پر نوٹ کیجئے۔ ہمارے اس منتخب نصاب میں قرآن حکیم کے جو مقامات آج کل ہمارے زیر مطالعہ ہیں وہ ''تواصی بالصبر'' ہی کی تفاصیل پر مشتمل ہیں۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ص﴾

''اور تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تم اس سے ملاقات کرتے''۔

یہاں اس جذبۂ شوقِ شہادت کی طرف اشارہ ہے جس کا اظہار بعض مسلمانوں کی طرف سے اس مشاورت کے دوران ہوا تھا جو آنحضور ﷺ نے غزوۂ اُحد سے قبل منعقد فرمائی تھی۔ آرزو کرنا اس وقت تک بہت آسان ہوتا ہے کہ جب تک موت سامنے نہ آ کھڑی ہو۔ لیکن جب موت سے آنکھیں چار ہوتی ہیں تو معاملہ بڑا مختلف ہوتا ہے۔

﴿فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝﴾

''تو اب تم نے اس موت کو دیکھ لیا ہے اور اس سے آنکھیں چار کر لی ہیں''۔

مسلمانوں کے لئے تنبیہ

اگلی آیت میں قدرے تنبیہ کا انداز ہے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج﴾ اور اے مسلمانو! یہ تمہیں کیا ہوا تھا کہ آنحضور ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر تمہاری ہمتیں جواب دے گئیں! تمہارا تعلق محمد (ﷺ) سے ہے یا اللہ سے ہے؟...... تمہیں سوچنا چاہئے کہ تمہارا تعلق تو اللہ کے ساتھ ہے جو سب کا خالق و مالک ہے۔ ''محمد ﷺ تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک رسول ہیں''۔ ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ط﴾ ''ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں۔ تو کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے''۔ ﴿وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط﴾ ''اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ گیا تو وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا''۔ ﴿وَسَيَجْزِى اللّٰهُ

الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو (حق ماننے والوں کو) عنقریب جزا عطا فرمانے والا ہے''۔

یاد رہے کہ یہی وہ آیت ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلاوت فرمائی تھی حضور ﷺ کے انتقال کے وقت' جبکہ نبی اکرم ﷺ سے جدائی کا صدمہ مسلمانوں کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ اس صورتِ حال سے اس درجے متأثر تھے کہ ننگی تلوار لے کر بیٹھ گئے کہ جس نے کہا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اب ظاہر بات ہے کہ جلالِ فاروقیؓ کے سامنے کسی کو دم مارنے کا یارا نہ تھا۔ ہاں' یہ ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ ہی تھے کہ جنہوں نے اس صورتِ حال کو سنبھالا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے' سیدھے حجرۂ عائشہؓ میں گئے' بیٹی کا گھر تھا' جاتے ہی آنحضور ﷺ کی پیشانی سے چادر ہٹائی' بوسہ دیا' واپس آئے اور پھر خطبہ دیا:

مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ ' وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ

''لوگو! جو کوئی بھی محمد کی پرستش کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد کا انتقال ہو گیا (ﷺ) اور جو کوئی اللہ کا پرستار ہے' اللہ کی پرستش کرنے والا ہے' اسے مطمئن رہنا چاہئے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جس پر کبھی موت وارد ہونے والی نہیں''۔

یہ اصولی بات ارشاد فرمانے کے بعد آپؓ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گردن جھکتی چلی گئی اور آپؓ نے تلوار کو نیام میں ڈال لیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ جیسے یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔

اب اگلی آیت کے الفاظ پر توجہ مرکوز کیجئے: ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا

بِـاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ کسی ذی نفس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ کے اذن کے بغیر اس کی موت واقع ہو جائے۔ ﴿كِتٰــبًـا مُّؤَجَّلًا ۭ﴾ وہ تو ایک معیّن وقت ہے جو لکھ دیا گیا ہے۔ ﴿وَمَــنْ يُّـرِدْ ثَــوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ﴾ تو اس مہلتِ عمر میں کہ جو انسان کو ملی ہے' جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہے' جس کی سعی و جُہد محض اس دنیا کے لئے ہے' اسے ہم اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں' مال و اسبابِ دُنیوی میں سے کچھ اسے عطا کر دیتے ہیں۔ ﴿وَمَــنْ يُّـرِدْ ثَــوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ﴾ اور جو کوئی آخرت کا طالب ہے' جس کے پیشِ نظر اپنی جدوجہد کا وہ نتیجہ ہے کہ جو آخرت میں نکلنے والا ہے تو ہم اسے اس میں سے عطا فرمائیں گے' اس کے لئے آخرت کا اجر محفوظ ہوگا۔ ﴿وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ ۞﴾ اور ہم بہت جلد شکر کرنے والوں کو بدلہ عطا کریں گے۔

اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ﴾ اور کتنے ہی ایسے نبی گزرے ہیں کہ بہت سے اللہ والوں نے ان کے ساتھ ہو کر جنگ کی ﴿فَـمَــا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ﴾ تو اللہ کی راہ میں جو تکلیفیں بھی اُن پر آئیں اس پر وہ بددل نہیں ہوئے' سُست نہیں پڑے' انہوں نے تکالیف کے مقابلے میں کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ہی وہ باطل کے آگے سرنگوں ہوئے۔ ﴿وَاللّٰـهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۞﴾ اور اللہ تعالیٰ تو ایسے ہی صبر کرنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اس کی محبوبیت کا مقام تو انہی کو حاصل ہوتا ہے جو ہر چہ بادا باد کی کیفیت سے اللہ کی راہ میں ڈٹ جانے والے ہیں۔

آگے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا ﴾ اور ان کی بات تو بس یہی تھی' ان کی عرض داشت تو بس اتنی تھی کہ وہ یہ التجا کرتے رہے کہ اے ہمارے ربّ! ہماری خطاؤں سے درگزر فرما۔ ﴿وَاِسْـرَافَـنَـا فِيْٓ اَمْرِنَا ﴾ اور ہم سے اپنے معاملات میں جو بھی زیادتی ہوئی ہے اس کو بخش دے ﴿وَثَبِّــتْ اَقْــدَامَـنَـا ﴾ اور ہمارے قدموں کو جما دے ﴿وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞﴾ اور ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما۔ ﴿فَـاٰتٰىھُـمُ الـلّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے

انہیں دنیا کا بدلہ بھی عطا فرمایا اور آخرت کا بھی بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ بدلہ دیا۔ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اللہ ایسے ہی احسان کرنے والوں سے' حسنِ عمل کا مظاہرہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

غزوۂ اُحد کے حالات پر جو طویل تبصرہ قرآن حکیم میں وارد ہوا ہے ان میں سے چند آیات کا ہم نے سطورِ بالا میں مطالعہ کیا ہے جس سے اس بات کی طرف واضح رہنمائی ملتی ہے کہ اہل ایمان کو ابتلاؤں اور آزمائشوں سے دوچار کرنے کی اصل حکمت کیا ہے۔ اور وہ حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کی چھانٹی ہو جائے' سچے مسلمانوں اور نام نہاد مسلمانوں کے درمیان تمیز ہو جائے' پھر یہ کہ یہ آزمائشیں اہل ایمان کی مزید تربیت کا ذریعہ بھی بنتی ہیں کہ آزمائش کی ان بھٹیوں سے گزرو تو کندن بن کر نکلو۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ حالات کو ادلتا بدلتا رہتا ہے۔ وہ چاہتا تو تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچتی' کوئی تمہیں گزند نہ پہنچا سکتا' لیکن پھر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوتا کہ تمہاری صفوں میں ابھی کہاں کہاں کمزوری موجود ہے۔ تمہاری جمعیت کے اندر کون کون سے گوشے ایسے ہیں کہ جہاں ابھی مزید استحکام کی ضرورت ہے۔ آئندہ کے کٹھن تر مراحل سے نبرد آزما ہونے کے لئے تمہارا اپنی تمام کمزوریوں پر متنبہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ تبھی تمہارے لئے یہ ممکن ہوگا کہ اپنی صفوں کو از سرِ نو ترتیب دے کر انہیں تطہیر کے عمل سے گزار سکو اور اس طرح اپنی ہمت کو مجتمع کر کے آئندہ آنے والے مراحل کے لئے مناسب تیاری کر سکو!

غزوۂ احزاب کا پس منظر

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے' غزوۂ اُحد کے بعد صورتِ حال یکسر تبدیل ہو گئی۔ اُحد کے میدان میں مسلمانوں کو جو دھچکا لگا تھا اس سے طبعی طور پر مسلمانوں کی ہمتیں کچھ پست ہوئیں اور دشمنوں کے حوصلے بلند ہوئے۔ انہیں یہ محسوس ہونے لگا کہ اگر کچھ مزید تیاری کے ساتھ ایک مجتمع کوشش کی جائے اور مل جل کر زور لگایا جائے تو اس پودے کو اکھاڑا جا سکتا ہے' مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دے کر یہ جھگڑا ہمیشہ کے

لئے ختم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ غزوۂ اُحد کے دو سال بعد ۵ ھ میں اسلام کے چراغ کو گل کرنے کی خاطر عرب کی پوری مشرکانہ قوت مجتمع ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوئی۔ اس واقعے کو ہم غزوۂ احزاب کے نام سے جانتے ہیں۔ اسے غزوۂ احزاب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں جو لوگ حملہ آور ہوئے تھے وہ کسی ایک قبیلے یا کسی ایک گروپ سے متعلق نہیں تھے بلکہ بے شمار قبائل' جن میں عربوں کے علاوہ یہود کے قبائل بھی شامل تھے' متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ وہ مشرق سے بھی آئے اور مغرب سے بھی آئے' ان علاقوں سے بھی آئے جو بلندی پر واقع ہیں اور اس جانب سے بھی آئے جو مدینہ کے مقابلے میں نشیب میں واقع ہے' کم و بیش بارہ ہزار کا لشکر جرار مسلمانوں کے خلاف مجتمع ہوا۔ ان حملہ آوروں میں بنو قینقاع بھی شامل تھے جو غزوۂ بدر کے بعد اپنی عہد شکنی کے باعث جلاوطن کئے گئے تھے' اور بنو نضیر بھی تھے کہ جنہیں ۴ ھ میں مدینہ سے نکال باہر کیا گیا تھا اور وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ مدینہ کے مشرق میں نجد کی طرف سے بنو غطفان چڑھائی کرتے ہوئے آئے جبکہ نیچے کی طرف سے یعنی مکہ سے قریش کی فوجیں حملہ آور ہوئیں۔ گویا آس پاس کے تمام مشرک قبائل مجتمع ہو گئے۔ مدینے کی چھوٹی سی بستی پر جس میں چند سو گھر آباد ہوں گے' اتنا بڑا حملہ ایک نہایت غیر معمولی بات تھی۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کہیں چٹیل میدان میں کوئی چراغ جل رہا ہو اور اس کو بجھانے کے لئے ہر طرف سے جھکڑ چل رہے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران مسلمانوں کی اجتماعی ابتلاء و آزمائش کے اعتبار سے یہ کٹھن ترین مرحلہ تھا۔ اس موقع پر اہل ایمان کا ایمان پوری طرح آزما لیا گیا' اور جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا ان کی بھی بھرپور آزمائش ہو گئی' جس کے نتیجے میں ان کا نفاق پورے طور پر ظاہر ہو گیا' وہ نفاق جو دلوں میں پوشیدہ تھا منافقین کی زبانوں پر جاری ہو گیا۔ بعد میں یہ غزوہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی اس انقلابی جدّوجُہد میں ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔

غزوۂ احزاب کا ذکر قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں اس غزوے کا ذکر سورۃ الاحزاب کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں ہے۔ وہاں اس صورت حال کی مکمل نقشہ کشی کر دی گئی ہے کہ یہ موقع مسلمانوں کے لئے ابتلاء اور آزمائش کا نقطۂ عروج تھا۔ جس طرح ذاتی سطح پر طائف کے دن محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر مصائب اور تکالیف کا معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا' بعینہٖ اسی طرح کا معاملہ بحیثیتِ مجموعی مسلمانوں کے لئے غزوۂ احزاب کے موقع پر ہوا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس غزوہ کا ذکر جن آیات میں آیا ہے ان میں سے چند آیات کا یہاں ترجمہ کر لینا مفید ہوگا تاکہ اس صورت حال کی صحیح تصویر خود آیاتِ قرآنی کے ذریعے سے ہمارے سامنے آ جائے جس سے اہل ایمان دوچار تھے۔ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝﴾ (آیت ۹)

اس پہلی آیت میں قرآن مجید نے اپنے مخصوص اسلوب کے مطابق اس پورے غزوے کے دوران جو حالات و واقعات پیش آئے اور اس کا جو نتیجہ نکلا ان سب کی طرف نہایت جامعیت کے ساتھ اشارہ کر دیا ہے:

''اے اہل ایمان! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم پر لشکر حملہ آور ہوئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر بھیجے کہ جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے' اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے اسے دیکھ رہا تھا''۔

ابتلاء و آزمائش کا نقطۂ عروج

اگلی آیت سے صورتِ حال کی نقشہ کشی شروع ہوتی ہے: ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ ذرا یاد تو کرو جب وہ لشکر تم پر حملہ آور ہوئے نیچے سے بھی اور اوپر سے بھی۔ مدینہ منورہ کے داہنی جانب کا علاقہ اونچا ہے اور بائیں جانب سے نیچائی ہے۔ بائیں طرف سے یعنی مغرب کی جانب سے جو لشکر آئے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ اور جو دائیں جانب سے آئے ان کے لئے یہاں ﴿مِنْ

﴿فَوْقِكُمْ﴾ کے الفاظ آئے۔ آیت کے اگلے ٹکڑے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آزمائش کس درجے شدید تھی: ﴿وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ﴾ اور جبکہ نگاہیں کج ہو گئی تھیں۔ ہم اپنے محاورے میں یوں کہیں گے کہ جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ ﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ﴾ اور دل ہنسلیوں میں آکر پھنس گئے تھے۔ گویا خوف و دہشت سے کلیجہ مُنہ کو آتا تھا۔ ﴿وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۝﴾ اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ طرح طرح کے وسوسے تمہارے دلوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ وہ نصرت کے وعدے کیا ہوئے؟ اللہ کی مدد کا وہ تاکیدی وعدہ کہاں گیا جو بار بار قرآن میں آیا ہے؟ وہ یقین دہانیاں جو ہمیں کرائی گئی تھیں کہ تمہیں غلبہ حاصل ہوگا' عرب اور عجم کے خزانے تمہارے قدموں میں آئیں گے' کیا وہ محض ہمیں دھوکہ دینے کے لئے تھیں؟ ﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا۝﴾ یہ وقت وہ تھا جبکہ اہلِ ایمان کی صحیح معنوں میں آزمائش ہوگئی اور انہیں ہلایا گیا بڑی شدت کا ہلایا جانا۔ حالات انتہائی نامساعد تھے۔ قحط کا وہ عالم کہ کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ فصلیں تیار تھیں لیکن انہیں اجاڑ دیا گیا' ساری فصل دشمنوں نے تباہ کر دی۔ بھوک کی شدت کے باعث پیٹ پر پتھر باندھ لئے گئے کہ فاقے کی وجہ سے کہیں کمر دوہری نہ ہو جائے۔ اس عالم میں خندق کھودی جارہی ہے' پھاوڑے چل رہے ہیں۔ اُس وقت محمد ﷺ کے ساتھیوں کی زبان پر یہ ترانہ رواں ہے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

''کہ ہم ہیں وہ لوگ جنہوں نے محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کی ہے' اس بات کی بیعت کہ جہاد کرتے رہیں گے جب تک کہ جان میں جان ہے''۔

بہر حال' صورت حال اتنی خوفناک تھی اور ایسی تباہی نگاہوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی کہ بظاہر احوال خاتمہ یقینی نظر آتا تھا۔ بلاشبہ یہ سخت ترین آزمائش کی گھڑی تھی جس سے اہلِ ایمان دوچار تھے۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاهور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان — اور — سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ